# بسم اللہ الرحمن الرحیم

**افادات: مجلس حضرت مولانا مفتی رضاء الحق حفظہ اللہ تعالی**

**تحقیق، تدوین اور تحریر:**

**مفتی عامر بن مولانا ممتاز الحق نذیر**

**مسجد الرحمۃ (گرین سائیڈ)**

**۳۰/۱۱/۲۰۲۵**

**۹ جمادی الأخری ۱۴۴۷**

الحمدُ للهِ نحمدُهُ ونستعينُهُ ونستغفرُهُ ونؤمنُ بهِ ونتوكلُ عليهِ، ونعوذُ باللهِ من شرورِ أنفسِنا ومن سيئاتِ أعمالِنا، من يهدِهِ اللهُ فلا مضلَّ لهُ ومن يضلِلْه فلا هاديَ لهُ

وأشهدُ أن لا إلهَ إلا اللهُ وحدَهُ لا شريكَ لهُ، وأشهدُ أنَّ سيِّدَنا ومولانا محمّدًا عبدُهُ ورسولُهُ، صلّى اللهُ عليهِ وعلى آلِهِ وصحبِهِ وأزواجه و عترته أجمعين۔

أما بعد

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

## [ البقرة:۲٦۰]

محترم علمائے کرام، معزز طلبہ، دوستو اور ساتھیو!

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں ذکر اور تبلیغ—دونوں نسبتوں—کے حوالے سے یہاں جمع فرمایا ہے۔ ذکر اور تبلیغ، دونوں ہی ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا طریقہ اور مشن رہے ہیں۔

حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ جب میوات وغیرہ کے اسفار سے واپس تشریف لاتے تھے—اور ظاہر ہے کہ وہ ایک جلیل القدر شخصیت تھے—تو ان کا اکرام کیا جاتا، عزت افزائی ہوتی، دعوتیں ہوتیں اور استقبال ہوتا۔ آخر میں وہ رائے پور کی خانقاہ میں تشریف لے جاتے اور فرمایا کرتے:

"ان لوگوں کے اکرام اور عزت کے باعث دل میں جو کبھی کبھار کوئی بڑائی یا خیال پیدا ہو جاتا ہے، اس کی اصلاح کے لیے رائے پور جانا ضروری ہے، تاکہ وہاں دل کی صفائی ہو جائے۔"

یہ ان کی بےمثال تواضع تھی، ورنہ ان کی اصلاح تو بہت پہلے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے پاس رہ کر ہو چکی تھی۔ وہ بڑے بڑے اکابر کی صحبتوں سے گزرے تھے اور مختلف مراحلِ سلوک اور وظائف طے کر چکے تھے، لیکن پھر بھی تواضع کے باعث اصلاح کے لیے جاتے رہے۔

حضرت مولانا انعام حسن رحمہ اللہ بھی ایک طرف تبلیغ کے امیر تھے اور دوسری طرف فجر سے پہلے اللہ کا ذکر کرتے اور اپنے مشائخ کے بتائے ہوئے وظائف کی پابندی فرماتے تھے۔

یہ دونوں طریقے اور نسبتیں—ذکر اور تبلیغ—ہماری اپنی نسبتیں ہیں، اور مکاتب، مساجد، مدارس، خانقاہیں، تبلیغی جماعت اور دینی تنظیمیں—یہ سب ہمارے اکابر کا مشن اور ان کا طریقۂ کار ہیں۔

اسی لیے کراچی میں حضرت بھائی عبدالوہاب صاحب کی طرف سے ایسے بعض حضرات، جو تبلیغ میں خوب وقت لگاتے تھے—چلہ لگاتے، تین دن یا چار مہینے نکالتے—ان ہی میں سے چند افراد کو مقرر فرمایا جاتا تھا کہ وہ ذکر کی لائن کو بھی چلائیں۔

اور آج بھی کراچی میں بعض حضرات تبلیغ کے ساتھ ساتھ ذکر کی نسبت کو بھی جاری رکھتے ہیں۔ دونوں کام ہمارے اکابر اور رائے ونڈ کی سرپرستی اور چھتری کے نیچے ہوتے ہیں۔

یہ تمام لائنیں دراصل اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے راستے ہیں—تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، مخلوق ہدایت کے راستے پر آ جائے اور لوگوں کو دین کا حقیقی فائدہ پہنچے۔

ذکر کی لائن سے بھی فائدہ پہنچتا ہے اور تبلیغ کی لائن سے بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ عوام علماء سے جڑ جائیں، علماء کی رہنمائی میں دین کے اچھے کام کرتے رہیں اور ہدایت یافتہ زندگی بسر کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہر سال ہمیں اس مسجد کی دعوت پر یہاں آنے کی توفیق ملتی ہے، جہاں تبلیغ کا پروگرام بھی ہوتا ہے اور ذکر کا پروگرام بھی۔

بہرحال، آج کی اس مجلس میں زیادہ تر طالبِ علم تشریف فرما ہیں، اور ہمارے بعض طلبہ ایسے بھی حاضر ہیں جو دُور دُور کے ممالک سے آئے ہیں۔

یہ ہمیشہ سے طریقہ چلا آ رہا ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کیے جاتے ہیں، اور ایسے سفر میں اللہ تعالیٰ کی خاص برکت شامل ہوتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں ایک مستقل ترجمة الباب کے تحت ذکر کیا ہے:

**بابُ الخُرُوجِ فِي طَلَبِ العِلْمِ، وَرحل جَابِرُ بْنِ عَبْدِاللهِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ إِلَى عَبْدِاللهِ بْنِ أُنَيْسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ (حدیث نمبر: ۷۸)**

**حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ—جن سے ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں اور جو مکثرینِ صحابہ میں سے ہیں —ایک حدیث حاصل کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ کے پاس شام تشریف لے گئے۔**

الأدب المفرد میں یہ روایت تفصیلاً مذکور ہے:

**عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ بَلَغَهُ حَدِيثٌ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَابْتَعْتُ بَعِيرًا فَشَدَدْتُ إِلَيْهِ رَحْلِي شَهْرًا، حَتَّى قَدِمْتُ الشَّامَ، فَإِذَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أُنَيْسٍ، فَبَعَثْتُ إِلَيْهِ أَنَّ جَابِرًا بِالْبَابِ، فَرَجَعَ الرَّسُولُ فَقَالَ: جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَخَرَجَ فَاعْتَنَقَنِي، قُلْتُ: حَدِيثٌ بَلَغَنِي لَمْ أَسْمَعْهُ، خَشِيتُ أَنْ أَمُوتَ أَوْ تَمُوتَ،**

**"ابنِ عقیل سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا:**

**انہیں ایک حدیث کا علم ہوا جو نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے مروی تھی۔**

**(فرماتے ہیں:) میں نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر زادِ سفر باندھ کر اُس صحابی کے پاس جانے کے لیے ایک مہینے کا سفر طے کیا، یہاں تک کہ شام پہنچ گیا۔**

**وہاں پہنچ کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ صحابی حضرت عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ ہیں۔**

**میں نے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا:**

**"جابر دروازے پر موجود ہے۔"**

**قاصد واپس آیا اور پوچھا: "کیا آپ جابر بن عبداللہ ہیں؟"**

**میں نے کہا: "ہاں۔"**

**یہ سنتے ہی حضرت عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور مجھے گلے لگا لیا۔**

**میں نے عرض کیا:**

**"ایک حدیث میرے علم میں آئی تھی جو میں نے براہِ راست نہیں سنی تھی؛ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کا یا میرا انتقال نہ ہو جائے—اس لیے میں اسے آپ سے خود سننے آیا ہوں۔"**

**چنانچہ انہوں نے یہ روایت بیان فرمائی:**

**يَحْشُرُ اللَّهُ الْعِبَادَ، أَوِ النَّاسَ، عُرَاةً غُرْلاً بُهْمًا، قُلْتُ: مَا بُهْمًا؟ قَالَ: لَيْسَ مَعَهُمْ شَيْءٌ، فَيُنَادِيهِمْ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ، أَحْسَبُهُ قَالَ: كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ**

**اللہ تعالیٰ بندوں کو—یا فرمایا: لوگوں کو اکٹھا فرمائے گا۔**

**—ننگا، بغیر ختنہ کیے اور بے سہارا (کچھ بھی ساتھ نہ رکھتے ہوئے)**

**میں نے عرض کیا: "بُہمًا کا کیا مطلب ہے؟"**

**آپ نے فرمایا: "اس کا مطلب ہے کہ ان کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہوگی۔"**

**پھر اللہ تعالیٰ انہیں ایسی آواز سے پکارے گا کہ جس طرح قریب والا سنتا ہوگا، اسی طرح دور والا بھی سنے گا،**

**اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا:**

**"أنا المَلِك، أنا الدَّيَّانُ"**

**"میں بادشاہ ہوں، میں ہی بدلہ دینے والا ہوں۔"**

**(الأدب المفرد ٩٧٠، باب المعانقة، المستدرك للحاكم ٣٦٣٨)** **(١)**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حدیث کے لیے اتنا طویل سفر اختیار کیا۔

اس زمانے کا سفر، جو اونٹوں پر یا پیدل طے کیا جاتا تھا، انتہائی مشقت والا تھا—مگر انہوں نے اسے خندہ پیشانی سے برداشت کیا، کیونکہ علم نور ہے، اور نور کے لیے سفر کیا جاتا ہے—اور کرنا بھی چاہیے۔

**حضرت ابو أیوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک حدیث کے لیے سفر**

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان تھے اور جن کے گھر پر آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے ٹھہرے، ایک حدیث کے سنے اور سماع کی غرض سے مصر تشریف لے گئے تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ درحقیقت آپ ﷺ کا اُن کے گھر پر ٹھہرنا ایک خاص تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ تُبَّع یمنی—جو یمن کے بادشاہوں میں سے ایک نیک اور صالح بادشاہ تھا (اگرچہ اُن میں کچھ بادشاہ خراب بھی گزرتے رہے اور کچھ اچھے بھی تھے)—اسے یہود کے بعض احبار سے معلوم ہوا تھا کہ مدینہ منورہ میں ایک زمانے کے بعد نبیِّ آخرالزّمان ﷺ تشریف لائیں گے۔ (۲)

چنانچہ اس نے مدینہ میں ایک خاص مکان تیار کروایا، ایک شخص کو وہاں ٹھہرایا، اور اس کے ہاتھ میں ایک خط دیا جس میں عربی زبان میں تحریر تھا—کیونکہ تُبَّع حِمیری یمن کے تھے اور عربی زبان یمن ہی سے چلی ہے۔ خط مں یہ اشعار لکھے ہوے تھے:

**شَهِدْتُ عَلَى أَحْمَدَ أَنَّهُ**

**رَسُولٌ مِنَ اللهِ بَارِي النَّسَم**

**فَلَوْ مُدَّ عُمْرِي إِلَى عُمْرِهِ**

**لَكُنْتُ وَزِيرًا لَهُ وَابْنَ عَمّ**

**وَجَاهَدْتُ بالسيف أَعْدَاءَهُ**

**وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهِ كُلَّ غمّ**

**<u>ترجمہ وتشریح:</u>**

**شَهِدْتُ عَلَى أَحْمَدَ أَنَّهُ**

**رَسُولٌ مِنَ اللهِ بَارِي النَّسَم**

**“میں احمد ﷺ پر گواہی دیتا ہوں (کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں)**

**جو تمام ارواح کے پیدا کرنے والے رب کی جانب سے آئے ہیں۔”**

**فَلَوْ مُدَّ عُمْرِي إِلَى عُمْرِهِ**

**لَكُنْتُ وَزِيرًا لَهُ وَابْنَ عَمّ**

**"اگر میری عمر اُن کی عمر تک بڑھا دی گئی،**

**تو میں ضرور اُن کا وزیر اور رشتہ دار چچا زاد بنوں گا"**

**وَجَاهَدْتُ بالسيف أَعْدَاءَهُ**

**وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهِ كُلَّ غمّ**

**"اور میں تلوار کے ساتھ اللہ کی راہ میں ان کے مخالفین اور دشمنوں سے جہاد کروں گا،**
**اور ان کے سینے سے ہر غم اور ہر پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کروں گا"**

**شهدت على أحمد أنه**

نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خوشخبری دی جاتی تھی، اُس میں "اَحْمَد" نام زیادہ استعمال ہوتا تھا۔

جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

**وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (سورة الصف، آية ٦)**

**"اور میں اپنے بعد آنے والے اس رسول کی خوش خبری دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔"**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اس امت میں زیادہ تر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام استعمال ہوتا ہے- دونوں آپ ﷺ کے مبارک نام ہیں اور دونوں اپنی اپنی عظمت رکھتے ہیں-

**احمد ﷺ کے معنی**

١. "سب سے زیادہ اور سب سے بہترین حمد کرنے والے" — یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف سب سے کامل انداز میں کرنے والے-

۲.  "سب سے زیادہ قابلِ تعریف، سب سے زیادہ محمود" — یعنی جن کی تعریف سب سے زیادہ کی جاتی ہے۔

**محمد ﷺ کے معنی**

**"**وہ ہستی جن کی بہت زیادہ کثرت سے حمد اور تعریف کی جاتی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف دن رات ہوتی رہتی ہے۔

صبح فجر کی اذان سے:

**أشهد أن محمداً رسولُ الله**

یہ شہادت مشرق سے شروع ہوتی ہے — ایک ملک میں فجر ہوتی ہے، پھر دوسرے میں، پھر تیسرے میں — اور یہ سلسلہ پوری دنیا میں چلتا رہتا ہے۔ جب یہ سلسلہ آخری خطوں تک پہنچتا ہے تو اُدھر دوبارہ ظہر کی اذانیں شروع ہو جاتی ہیں۔

جس طرح سورج مشرق سے مغرب کی طرف چلتا ہے، اسی طرح اذان بھی مشرق سے مغرب تک گردش کرتی ہے — اور پوری دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف مسلسل جاری رہتی ہے۔

**حضرت ابو أیوب انصاری رضی اللہ عنہ کا سفرِ حدیث**

حضرت ابو أیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث کے سماع کی غرض سے مصر تشریف لے گئے۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے وہ حدیث براہِ راست سن لیں؛ وہ وہاں کسی کے مہمان بننے یا قیام کرنے کے لیے نہیں گئے تھے۔

**عطا بن ابی رباح بیان کرتے ہیں:**

**حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس مصر گئے تاکہ ایک حدیث دریافت کریں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، اور جسے نبی کریم ﷺ سے براہِ راست صرف وہ اور حضرت عقبہ نے سنی تھی، ان کے سوا کوئی نہیں۔**

**جب حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ مصر پہنچے تو مصر کے گورنر مسلمہ بن مخلّد انصاری کے گھر گئے۔**

**انہیں جب معلوم ہوا کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں تو فوراً باہر آئے، انہیں گلے لگایا اور پوچھا:**

**“اے ابو ایوب! آپ کو یہاں کس چیز نے لایا ہے؟”**

**حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:**

**“ایک حدیث جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، اور اب صرف میں اور عقبہ ہی باقی رہ گئے ہیں جو اسے براہِ راست آپ ﷺ سے سنی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ان کا پتہ بتا دیں تاکہ میں ان سے وہ حدیث سن لوں۔”**

**چنانچہ امیرِ مصر نے ان کے ساتھ ایک آدمی بھیجا جو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر کا راستہ بتائے۔**

**جب حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ آئے ہیں، تو وہ بھی جلدی سے باہر نکلے، ان سے ملے، گلے لگایا اور پوچھا:**

**“اے ابو ایوب! آپ یہاں کس لیے آئے ہیں؟”**

**انہوں نے فرمایا:**

**“وہ ایک حدیث! جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی—اور اب صرف میں اور تم ہی باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے وہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے۔ وہ حدیث ‘مؤمن کی پردہ پوشی’ کے متعلق ہے۔”**

**حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:**

**“جی ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:**

**«مَنْ سَتَرَ مُؤْمِنًا فِي الدُّنْيَا عَلَى خِزْيَةٍ، سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»**

**‘جو شخص دنیا میں کسی مؤمن کی رسوائی کو چھپا دے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔’”**

**حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: “آپ نے سچ کہا۔”**

**پھر وہ فوراً اپنی سواری کی طرف لوٹے، اس پر سوار ہوئے اور مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا سفر شروع کر دیا۔**

**(مسند الحمیدی، حدیث نمبر) (۳)**

حضرت ابو أیوب رضی اللہ عنہ نے یہی حدیث سننے کے لیے اتنا طویل سفر کیا تھا، اور سماع کے بعد فوراً واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

وہی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، جو جہادِ قسطنطنیہ (رومیوں کے خلاف) میں شریک ہوئے تھے۔ اس مہم میں حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ اسی سفر کے دوران حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اور وہ قسطنطنیہ — جسے آج اِسطنبول کہا جاتا ہے — میں مدفون ہوئے۔

وفات سے قبل آپ نے وصیت فرمائی تھی:

**"إِذَا أَنَا مُتُّ، فَارْكَبْ بِي، ثُمَّ تَبَيَّغْ بِي فِي أَرْضِ العَدُوِّ مَا وَجَدْتَ مَسَاغًا؛ فَإِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا، فَادْفِنِّي، ثُمَّ ارْجِعْ."**

**وَقَالَ: أَقْرِئِ النَّاسَ مِنِّي السَّلَامَ؛ وَلْيَنْطَلِقُوا بِي، وَلْيُبْعِدُوا مَا اسْتَطَاعُوا. قَالَ: فَفَعَلُوا.**

**(سير أعلام النبلاء ج ٢، ص ٤٠٣-٤١٣)**

**"جب میں مر جاؤں تو مجھے اپنے ساتھ سوار کر لینا، پھر دشمن کی سرزمین میں جہاں تک راستہ ملے مجھے لے کر بڑھتے رہنا۔ مجھے دیوار کے جتنا قریب لے جا سکو لے جانا، اور جب آگے بڑھنے کی کوئی گنجائش نہ رہے، تو مجھے دفن کر دینا، پھر واپس آ جانا۔ (یعنی اس دیوار کی جڑ میں ہی میری قبر بنا دینا، وہی دیوار جس کے قریب مسلمان دشمن کے مقابلے میں محاذ سنبھالے ہوئے تھے)**

**اور کہا: لوگوں کو میری طرف سے سلام پہنچا دینا؛ اور مجھے لے کر چلتے رہنا، اور جہاں تک ممکن ہو مجھے دور تک لے جانا۔ راوی کہتا ہے: چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔**

**جب مسلمانوں کا لشکر اس دیوار کے پاس قبر بنانے پہنچا، تو اس دیوار پر رومی نصرانی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا:**

**"تم کیا کر رہے ہو؟"**

**مسلمانوں نے جواب دیا:**

**"ہم رسول اللہ ﷺ کے ایک معزز صحابی کو دفن کر رہے ہیں، جو دین کی خاطر یہاں تک سفر کر کے آئے تھے!"**

**رومیوں نے کہا:**

**"جب تم یہاں سے چلے جاؤ گے، ہم ان کی قبر کو ختم کر دیں گے!"**

**مسلمانوں کے لشکر نے ایسا جواب دیا کہ وہ سخت خوف زدہ ہوگئے۔ انہوں نے کہا:**

**“اگر تم نے ہمارے معزز صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر کو چھیڑا، یا ذرا سا بھی نقصان پہنچایا،**

**تو پورے شام میں تمہارا ایک گرجہ اور ایک چرچ بھی باقی نہیں رہے گا!”**

**رومی اس دھمکی سے خوفزدہ ہو گئے اور قبر کو ہاتھ نہ لگایا۔**

**أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ قُبِرَ مَعَ سُورِ القُسْطَنْطِينِيَّةِ، وَبُنِيَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا أَصْبَحُوا، قَالَتِ الرُّومُ: يَا مَعْشَرَ العَرَبِ، قَدْ كَانَ لَكُمُ اللَّيْلَةَ شَأْنٌ.**

**قَالُوا: مَاتَ رَجُلٌ مِنْ أَكَابِرِ أَصْحَابِ نَبِيِّنَا، وَاللَّهِ لَئِنْ نُبِشَ، لَا ضُرِبَ بِنَاقُوسٍ فِي بِلَادِ العَرَبِ.**

**فَكَانُوا إِذَا قَحَطُوا، كَشَفُوا عَنْ قَبْرِهِ، فَأُمطِرُوا.**

**(سير أعلام النبلاء ج ٢، ص ٤٠٣-٤١٣)**

**“ابو ایوب انصاری رضي الله عنه کو قسطنطنیہ کی فصیل (شہر کی دیوار) کے ساتھ دفن کیا گیا، اور اس پر تعمیر کر دیا گیا۔**

**جب صبح ہوئی تو رومیوں نے کہا:**

**“اے عرب کے لوگو، تمہارے ہاں آج رات کوئی بڑا واقعہ پیش آیا ہے!”**

**مسلمانوں نے جواب دیا:**

**“ہمارے نبی ﷺ کے عظیم صحابہ میں سے ایک بزرگ کا انتقال ہوگیا ہے۔**

**خدا کی قسم! اگر ان کی قبر کھودی گئی، تو عرب کی سرزمین میں کبھی گھنٹی نہ بجے گی!” (یعنی ہم شدید ردِّعمل دیں گے اور کوئی گرجہ باقی نہ رہے گا)**

**اور رومیوں کا حال یہ تھا کہ جب ان پر قحط پڑتا، تو ابو ایوب رضي الله عنه کی قبر کی مٹی ہٹا کر دیکھتے، (انہوں نے ان کی قبر کے اوپر کی مٹی یا پردہ ہٹا دیتے) تو اللہ ان پر بارش نازل فرما دیتا۔”**

**روایات میں آتا ہے کہ اُس رات رومیوں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر نور کے شعلے اٹھتے دیکھے—ایسے نورانی آثار جن سے وہ بہت متاثر ہوئے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کی قبر کے لیے کرامت کے طور پر ظاہر فرمایا۔**

**قَالَ الوَاقِدِيُّ: وَدُفِنَ بِأَصْلِ حِصْنِ القُسْطَنْطِينِيَّةِ.**

فَلَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ الرُّومَ يَتَعَاهَدُونَ قَبْرَهُ، وَيَسْتَسْقُونَ بِهِ.

**واقدی کہتے ہیں:**

**“ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو قسطنطنیہ کے قلعے کی بنیاد کے پاس دفن کیا گیا۔**

**مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رومی ان کی قبر کی دیکھ بھال کرتے تھے، اور قحط کے زمانے میں ان کی قبر کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے۔”**

**(سير أعلام النبلاء ج ٢، ص ٤٠٣-٤١٣)**

**نجاشی کے بارے میں بھی روایات میں منقول ہے کہ لوگوں نے اُن کی قبر پر نور کے شعلے ظاہر ہوتے ہوئے دیکھے۔**

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِيُّ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ لاَ يَزَالُ يُرَى عَلَى قَبْرِهِ نُورٌ- (رواه أبوداود ، #2523)

**حضرت عائشہ رضي اللّٰہ عنہا فرماتی ہیں:**

**“جب نجاشی کا انتقال ہوا تو ہم آپس میں یہ بات کیا کرتے تھے کہ اُس کی قبر پر مسلسل نور ظاہر ہوتا رہتا تھا۔”**

وہی نجاشی جنہوں نے دین کی خدمت کرنے والے مبلغین کی دل کھول کر خدمت کی تھی۔ جب تبلیغ کے لیے صحابۂ کرام حبشہ گئے—حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام—تو نجاشی ان سب کی خدمت اوراعانت کیا کرتے تھے۔ مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر بھی نجاشی ہی نے ادا کیا، اور انہی کی نگرانی میں نکاح انجام پایا۔ (٤)

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کے اندر نور عطا فرمایا—یہ تو اپنی جگہ—لیکن روایات کے مطابق ان کی قبر کے اوپر بھی نور کے آثار ظاہر ہوئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اہلِ تبلیغ کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی جو دین کے کام میں وقت لگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو بھی نور سے بھر دیتا ہے اور ان پر اپنی رحمت و برکت کا نور نازل فرماتا ہے۔

یہ تو صرف ایک حدیث کے حصول کے فضائل ہیں۔

اور جو طالبِ علم ایک حدیث ہی نہیں بلکہ بہت سی احادیث سننے اور سیکھنے کے لیے سفر کرتے ہیں، ان کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بلند مرتبہ ہے۔

ان کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور وہ اللہ کی خاص رحمت کے مستحق بن جاتے ہیں۔ ابو داؤد کی روایت میں ہے:

**عن أبي الدرداء رضي اللّٰہ عنہ قال ، سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم یقول:**

**مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ۔**
**رواہ أبو داود۔ 3641 (باب الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ) (٥)**

**حضرت ابو الدرداء رضي اللہ عنہ نے فرمایا:**

**"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:**
**'جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اس کے لیے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ آسان فرما دیتا ہے۔**
**اور بے شک فرشتے طالبِ علم کی خوشنودی کی وجہ سے اپنے پر بچھا دیتے ہیں"۔**

**حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتی زندگی**

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانے میں رئیسُ المبلّغین اور امامُ الدُّعاۃ تھے۔ انہوں نے تبلیغ و دعوت کا حق کامل طور پر ادا کیا۔ سب سے پہلے اپنے والد آزر (یا طالح) کو نہایت حکمت اور شفقت کے ساتھ نصیحت کی اور اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔ قرآنِ کریم میں ان کی یہ پُردرد دعوت متعدد مقامات پر مذکور ہے، جہاں وہ فرماتے ہیں:

**يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا**

**(سورت مریم ٤٢)**

**"اے میرے والد! آپ ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟"**

یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد تک دعوت پہنچائی اور تبلیغ کے تقاضے پورے کیے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو بھی دعوت دی اور اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت واضح کی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (آیت ۲۵۸)

**"کیا تم نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے بادشاہی عطا کر رکھی تھی؟**

**جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے،**

**تو اس نے کہا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔**

**ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لے آتا ہے، تو تم اسے مغرب سے لے آؤ۔**

**پس وہ کافر ہکّا بکا رہ گیا،**

**اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا"**

فرمایا:

رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ

**"میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔"**

نمرود نے جواب دیا:

أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ

**"میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔"**

اس نے ایک مجرم کو بلا کر چھوڑ دیا اور کہا: "میں نے اسے زندہ کر دیا"، اور ایک بے گناہ کو قتل کروا کر کہا: "میں نے اسے مار دیا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ محض جہالت ہے؛ کیونکہ زندہ کرنے کا مطلب مردہ کو زندگی دینا ہے، اور موت دینے کا مطلب بغیر کسی سبب کے جان لینا—جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں کو دل کا دورہ پڑا اور وہ مر گیا، حالانکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی وفات دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری قطعی دلیل پیش کی اور فرمایا:

فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

**“بے شک میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔”**

پھر فرمایا:

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

**“تو تم اسے مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔”**

اس پر قرآن کہتا ہے:

فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ

**“تو وہ کافر ہکّا بکا رہ گیا۔”**

اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا، اور وہ لاجواب ہو گیا۔ ورنہ اگر وہ ضد میں آ کر کچھ اور کہتا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام واضح فرما دیتے کہ نبی کا کام یہ نہیں کہ اپنی مرضی سے معجزات دکھائے؛ معجزہ تو وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ نبی صرف اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے، اور اللہ ہی حق کو غالب کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ، حاکم اور اہلِ اقتدار کو بھی دعوت دی، اور عام لوگوں تک بھی دعوتِ توحید پہنچائی۔ عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے انہوں نے نہایت حکمت اور تدریج کے ساتھ گفتگو فرمائی، جیسا کہ قرآنِ کریم میں مذکور ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا

**جب رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔**

قَالَ هَذَا رَبِّي

**فرمایا: کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے؟**

فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ

**جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو فرمایا: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا—(ڈوبنے سے مراد جس کا اثر ختم ہوگیا ہو)**

پھر:

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي

**جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا: کیا یہ رب ہوسکتا ہے؟**

**کیونکہ وہ لوگ چاند اور ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔**

فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ

**جب وہ بھی غائب ہو گیا تو فرمایا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں بھی گمراہوں میں ہوں گا۔**

پھر:

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ

**جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا: یہ تو سب سے بڑا ہے، کیا یہی رب ہے؟**

کیونکہ بہت سے لوگ سورج کی عبادت کرتے تھے اور آج بھی اس کے سامنے جھکتے ہیں۔

فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ

**جب سورج بھی ڈوب گیا تو صاف اعلان فرمایا:**

**اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔**

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح فرما دیا کہ جو چیز غروب ہو جائے، جس کا اثر ختم ہو جائے، وہ رب نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تاثیر تو ہر وقت جاری رہتی ہے—دن میں بھی اور رات میں بھی۔

دن کے وقت سورج نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلتا ہے۔ وہ ہمیں گرمی دیتا ہے، ہماری فصلوں اور پھلوں کو پکاتا ہے؛ گویا یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ایک خادم ہے۔

اسی طرح چاند، ستارے، زمین، درخت اور پھل—سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہماری خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

لہٰذا ان کی عبادت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی انسان اپنے گھر کے خادم کی عبادت شروع کر دے—حالانکہ خادم، خالق نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکیمانہ انداز سے قوم کو سمجھایا کہ عبادت صرف اسی ذات کی ہونی چاہیے جو سب کو پیدا کرنے والی اور سب پر قادر ہو۔

حضرت سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

**ابر و باد و مَہ و خورشید و فلک درکارند**

**تا تو نانی بہ کف آری و بہ غفلت نخوری**

**یعنی بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان—سب تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تاکہ تم رزق حاصل کرو؛ مگر غفلت میں نہ پڑ جاؤ، بلکہ یہ سوچو کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔**

اسی حقیقت کو قرآنِ کریم نے یوں بیان فرمایا:

**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ**

**"اور میں نے جنّ و انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔"**

پس اللہ تعالیٰ کی قدرت دن میں بھی کارفرما ہے اور رات میں بھی۔

رات ہوتی ہے تو جنگل میں پرندے، چرندے اور درندے سب سو جاتے ہیں، اور اللہ کے بندے بھی آرام کرتے ہیں۔

یہ کونسی قدرت ہے جس نے سب کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ رات کو آرام کریں؟ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

اسی طرح دن میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت چلتی ہے، صبح میں بھی، شام میں بھی—ہر وقت، ہر حال میں۔

وہی ہمارا اللہ ہے، اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی نے تمام انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، اور آخر میں خاتمُ النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بھی دعوت دی، بادشاہ کو بھی دعوت دی، اور اپنی پوری قوم کو بھی دعوت دی کہ:

تم سورج اور ستاروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

روشنی کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

عبادت تو اس ذات کی ہونی چاہیے جو روشنی کو پیدا کرنے والی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور واقعہ قرآنِ کریم میں سورۃ البقرہ کے اندر بیان ہوا ہے، جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ کیے جانے کے بارے میں سوال کیا تھا قلبی اطمینان کے لیے:

**وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝**

**[ البقرة: ٢٦٠ ]**

**"اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کیا:**

**اے میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔**

**اللہ نے فرمایا: کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟**

**انہوں نے عرض کیا: یقین کیوں نہ ہوتا؟، لیکن (یہ اس لیے چاہتا ہوں) تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔**

**فرمایا: تو چار پرندے لے لو، پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لو، پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو، پھر انہیں پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے،**

**اور جان لو کہ اللہ غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے" (البقرۃ ٢٦٠)**

ان آیات میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

یا رب! آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

**قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ**

**یعنی: آپ چار پرندے لے لیجیے اور فَصُرْهُنَّ۔**

لفظ **فَصُرْهُنَّ** کے مفسرین نے دو معنی بیان کیے ہیں:

۱. مانوس کرنا:

یعنی ان پرندوں کو اپنے ساتھ اس قدر مانوس کر لیجیے کہ آپ انہیں اچھی طرح پہچان لیں، تاکہ بعد میں جب انہیں مختلف پہاڑوں پر رکھ کر بلایا جائے تو آپ کو یقین ہو کہ یہی وہی پرندے ہیں، کوئی اور نہیں۔

۲. کاٹنا اور ٹکڑے کرنا:

یعنی ان پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کر دیجیے، پھر ان ٹکڑوں کو باہم ملا دیجیے۔

اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا

**پھر ان کے ٹکڑوں کو مختلف پہاڑوں پر رکھ دیجیے۔**

پھر حکم ہوا:

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا

**پھر انہیں پکاریں، وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آ جائیں گے—**

نہ کہ اڑتے ہوئے—تاکہ یہ شبہ باقی نہ رہے کہ شاید یہ دوسرے پرندے ہوں۔ جب وہ زمین پر چلتے ہوئے آئیں گے تو صاف واضح ہو جائے گا کہ یہ وہی پرندے ہیں جنہیں ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا۔

آخر میں فرمایا:

وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

**اور جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔**

یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرا دیا، تاکہ دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔

**عددِ چار کی حکمت**

عددِ چار کو اہلِ علم نے کثرت، جامعیت اور تکمیل کے معنی میں بیان کیا ہے۔ اسی حکمت کے تحت شریعت اور تاریخِ اسلام میں متعدد مقامات پر عددِ چار کی نمایاں حیثیت نظر آتی ہے۔

- **اللہ تعالیٰ نے چار آسمانی کتابیں نازل فرمائیں:**

**تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ مجید۔**

- **اللہ تعالیٰ نے چار عظیم پیغمبروں کو منتخب فرمایا اور خصوصی مقام عطا فرمایا:**

**حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم—جن میں سب سے اعلیٰ اور افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔**

- **اللہ تعالیٰ نے چار مقرب فرشتوں کو منتخب فرمایا:**

**حضرت جبریل، میکائیل، اسرافیل، اور ملک الموت (جو عزرائیل کے نام سے مشہور ہے)۔**

- **اللہ تعالیٰ نے چار عظیم مساجد کو خصوصی فضیلت بخشی:**

**مسجد الحرام، مسجد نبوی، مسجد الاقصیٰ، اور مسجدِ قبا۔**

- **امت میں چار ائمہ کو قبولِ عام حاصل ہوا:**

**امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ۔**

- **خلفائے راشدین چار جلیل القدر صحابہ ہیں:**

**حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔**

- **تصوف کے میدان میں بھی چار معروف سلسلیں امت میں جاری و ساری رہے:**

**نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ، اور قادریہ۔**

یہ سب مثالیں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ عددِ چار میں ایک خاص حکمت، توازن اور تکمیل پائی جاتی ہے۔

**آیتِ کریمہ کی تشریح:**

**کون سے پرندے منتخب کیے گئے؟**

مفسرین رحمہم اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن چار پرندوں کا حکم دیا گیا، مشہور قول کے مطابق وہ یہ تھے، جنہیں میں نے ایک شعر میں جمع کیا ہے:

**مور و مرغ، کوا کبوتر چار ہیں**

**مار دو، چلنے کو سب تیار ہیں**

یعنی: مور، مرغ (مرغا)، کوا اور کبوتر، ان کو بحکمِ خداوندی مار دو، بعد میں سب چلنے کو تیار ہونگے۔

**مور (طاووس) اور اس کی حکمت**

چار پرندوں میں سے ایک مور تھا، جسے طاووس کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت خوبصورت پرندہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے ذبح کیا، ٹکڑے کیے، مختلف مقامات پر رکھا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ دوبارہ زندہ ہوا۔

مور کیوں؟

اس لیے کہ مور میں زینت اور خوبصورتی کی محبت پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے پروں کو دیکھ کر ناچنے لگتا ہے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے:

اے طالبِ علم! اے مبلغ! اے دین کے شوق رکھنے والے!

زینت اور ظاہری آرائش کے پیچھے نہ پڑو، بلکہ سادہ زندگی اختیار کرو۔

عالم اور معلم کی زندگی سادہ ہونی چاہیے۔ ہر وقت فیشن اور نمود و نمائش میں مشغول رہنا مناسب نہیں۔

ہاں شریعت میں صفائی مطلوب ہے:

- کپڑے صاف ہوں
- بدن صاف ہو
- بدبو نہ ہو

کیونکہ بدبو سے فرشتے بھی اذیت محسوس کرتے ہیں۔

لیکن زینت میں ایسا انہماک کہ آدمی ہر وقت اسی میں لگا رہے—یہ پسندیدہ خصلت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل میں اس ناپسندیدہ عادت کے کاٹنے کی طرف اشارہ ہے۔

اسی مفہوم کو فارسی میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ طالبِ علم کا گزارا یہ ہونا چاہیے:

**نانِ جوین و خِرقۂ پَشمین، آبِ شور**

**سیپارۂ قرآن و حدیثِ پیغمبری**

یعنی:

جو کی روٹی، سادہ لباس اور سادہ پانی—اور قرآن و حدیث کی صحبت—یہی طالبِ علم کے لیے کافی ہے۔

اور آگے فرمایا:

**ایں نَم کفایت است کہ بر وی حسد بَرَد**

**جاہ و جلالِ خسروِ مُلکِ سکندری**

"یہ سادگی اتنی باوقار ہے کہ سکندر جیسے بادشاہ کی شان و شوکت بھی اس پر حسد اور رشک کرے"۔

سادگی میں ویسے خرچہ بھی کم ہوتا ہے۔

**مور کی دوسری خصلت: بے وفائی**

مور میں ایک اور ناپسندیدہ خصلت بے وفائی بھی بیان کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر مور کے پر موجود ہوں تو وہ برسوں ساتھ رہنے کے باوجود موقع ملتے ہی اڑ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگ اس کے پروں کو کاٹ دیتے ہیں۔

اس میں بھی ایک گہرا اشارہ ہے:

بے وفائی کو کاٹ دو۔

- استاد کے ساتھ بے وفائی نہ ہو
- شیخ کے ساتھ بے وفائی نہ ہو
- کتاب کے ساتھ بے وفائی نہ ہو
- مسجد کے ساتھ بے وفائی نہ ہو

مثلاً: جب امامت کی باری نہ ہو یا بلا عذر گھر پر نماز پڑھ لینا جبکہ مسجد موجود ہو—یہ مسجد سے بے وفائی ہے۔

- اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی نہ ہو
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے وفائی نہ ہو
- اور قوم کے ساتھ بے وفائی نہ ہو، کیونکہ جس قوم اور معاشرے میں انسان رہتا ہے اس کا بھی اس پر حق ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مغلیہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا، جس کی متعدد بیویاں تھیں۔ ایک کا نام جہاں بیگم تھا، دوسری حیات بیگم، تیسری فنا بیگم اور چوتھی وفا بیگم۔

ایک مرتبہ بادشاہ سفر پر جانے لگا۔ اس نے کہا: تم میں سے جو بہترین شعر کہے گی، میں اُسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

پرانے زمانے میں سفر عموماً مشقت طلب ہوتا تھا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

**السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ**

**"سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے" (صحیح مسلم) (٦)**

البتہ بادشاہوں کا سفر ظاہری طور پر آرام دہ ہوتا تھا؛ خدام، خیمے اور تمام سہولتیں ساتھ ہوتیں۔

**چنانچہ جہاں بیگم نے یہ شعر کہا:**

**تو پادِشاہِ جہانی، جہان رَها مَکُن**

**که پادِشاہِ جهان را، جهان به کار آید**

یعنی: چونکہ آپ دنیا کے بادشاہ ہیں، اس لیے جہان ہی آپ کے منصب کے شایانِ شان ہے؛ بادشاہ کے لیے جہان کا ساتھ رکھنا ہی مناسب ہے، لہٰذا مجھے، یعنی جہاں بیگم کو ہی ساتھ لے چلیں۔

**پھر حیات بیگم نے کہا:**

**جهان خوش است، ولیکن حیات می‌باید**

**اگر حیات نباشد، جہان چہ کار آید**

"یعنی جہاں اور دنیا اچھی سہی، لیکن زندگی ضروری ہے؛

اگر زندگی (حیات) ہی نہ ہو تو دنیا کس کام کی؟ لہٰذا حیات ہی کو ساتھ لے جائیے۔"

**اس کے بعد فنا بیگم نے کہا:**

**جہان و حیات ہمہ بے وفاست**

**فنا را طلب کن کہ آخر فناست**

"دنیا اور زندگی دونوں سراسر بے وفا ہیں؛

لہٰذا فنا کو اختیار کرو، کیونکہ آخرکار انجام فنا ہی ہے اور موت کی تیاری اصل ہے"۔

**اور وفا بیگم نے کہا**

**جہان و حیات گرچہ بے ثبات است**

**وفا را برگیر، کہ اصلِ نجات است**

"یعنی اگرچہ دنیا اور زندگی ناپائیدار ہیں، مگر وفاداری ہی ساتھ لے جائیے، کیونکہ حقیقت میں نجات اور کامیابی وفا ہی میں ہے"۔

یہ تمثیل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو وفا کو تھامے رکھنا چاہیے۔

افسوس کہ بعض اوقات مدرسہ سے فراغت کے بعد کچھ لوگ اپنے مدرسے، کتاب اور علم کو بالکل بھلا دیتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیاوی کام کرنا درست نہیں—دنیاوی مشاغل بھی جائز ہیں—لیکن علم کو کبھی نہ چھوڑو۔

ہمارے اسلاف میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی روشن مثال موجود ہے۔ وہ اتنے بڑے عالم اور محدث تھے کہ صحاحِ ستہ کے متفقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے سال کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا:

۱. سال کا ایک حصہ تجارت کے لیے،

۲. ایک حصہ علم کی خدمت اور اشاعت کے لیے،

۳. اور ایک حصہ جہاد کے لیے۔

جہاد کے بعد جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوتی تو وہ خاموشی سے الگ ہو جاتے اور فرماتے: میرے پاس اپنی تجارت کا مال موجود ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

یوں وہ تجارت بھی کرتے تھے، مگر علم کو کبھی ترک نہیں کیا۔

اگر آدمی علم کو بالکل چھوڑ دے تو علم کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے علماء نے علم اور مال میں کئی فرق بیان کیے ہیں؛ ان میں سے ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ علم خرچ کرنے اور استعمال کرنے سے بڑھتا ہے، جبکہ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے۔

یہ تھی مور کی حکمت اور اس سے نکلنے والی تربیتی تفصیل۔

**دوسرا پرندہ: مرغ — اور اس کی تربیتی حکمت**

اس کے بعد دوسرا پرندہ مرغ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرغ کو ذبح کر کے اس کے ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھے۔ اس میں بھی گہرے اشارات اور تربیتی اسباق پوشیدہ ہیں۔

مرغ کے اندر بعض قبیح اور ناپسندیدہ صفات پائی جاتی ہیں جو اہلِ علم اور اہلِ دعوت کے اندر نہیں ہونی چاہییں—اور انہی صفات کو ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

**۱) <u>شہوتِ اَکل (کثرت سے کھانا)</u>**

مرغ کی ایک نمایاں خصلت یہ ہے کہ وہ مسلسل کھاتا رہتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ مرغ اور مرغی ہر وقت دانہ چگتے رہتے ہیں۔

اس میں اشارہ یہ ہے کہ کثرتِ اَکل انسان کے لیے نقصان دہ ہے۔ اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ وقت پر اور بقدرِ ضرورت کھائیں، بے جا کھانے کی عادت نہ ڈالیں۔

علمائے تصوف فرماتے ہیں:

إذا كَثُرَ الطَّعامُ فَنَبِّهوني

فإنَّ القَلْبَ يُفْسِدُهُ الطَّعامُ

**"جب کھانا زیادہ ہو جائے تو مجھے آگاہ کر دینا، کیونکہ زیادہ کھانا دل کو خراب کر دیتا ہے۔"**

زیادہ کھانے سے نیند، سستی اور غفلت پیدا ہوتی ہے، اور انسان کام کے قابل نہیں رہتا۔

اور فرمایا:

إذا كَثُرَ الكلامُ فَسَكِّتوني

فإنَّ الدِّينَ يَهْدِمُهُ الكلامُ

**"اور جب بات چیت زیادہ ہو جائے تو مجھے روک دینا، کیونکہ زیادہ گفتگو دین کو برباد کر دیتی ہے۔"**

پس مرغ کے ذبح کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ کثرتِ اَکل اور کثرتِ شہوت کو اپنے اندر سے ختم کر دیا جائے—یہ صفات مطلوب نہیں۔

**۲) <u>دعوت بلا عمل — مرغ کی دوسری خصلت</u>**

مرغ کی ایک اور قابلِ غور خصلت یہ ہے کہ وہ اذان دیتا ہے، مگر نماز نہیں پڑھتا۔

یہ ایک لطیف مگر سخت تنبیہ ہے۔

اسی مناسبت سے حدیث میں آیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ:

«إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ، فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِنَّهُ رَأَى شَيْطَانًا»

**(رواه البخاري: 3303)**

**"جب تم مرغے کی بانگ سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو، کیونکہ اس نے فرشتے کو دیکھا ہوتا ہے، اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو اللہ کی پناہ مانگو، کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہوتا ہے۔" (البخاري)**

اسی لیے مرغ کی بانگ کو اہمیت دی گئی ہے، خصوصاً فجر کے وقت—کیونکہ اس وقت فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

فرشتے خاص طور پر فجر کے وقت نازل ہوتے ہیں، جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

اس میں اشارہ یہ ہے کہ داعی اور مبلغ صرف اذان دینے والا نہ بنے، بلکہ عمل کرنے والا بھی ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل میں علم بلا عمل والی زندگی کے ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

**اذان اور دعوت کا وعدہ**

مرغ کی بانگ دعوتِ الیٰ اللہ کی علامت ہے، اور اذان میں بھی دعوت کا پیغام پوشیدہ ہے۔

اذان میں اللہ اکبر چھ مرتبہ آتا ہے:

- ابتدا میں چار مرتبہ
- آخر میں دو مرتبہ

اس میں اشارہ ہے کہ داعی یہ عہد کرتا ہے کہ وہ چاروں سمتوں—مشرق، مغرب، شمال اور جنوب—بلکہ ہر جگہ اللہ کے دین کو پہنچائے گا۔

اسی طرح شہادتین بھی چار مرتبہ آتی ہیں:

- دو مرتبہ **لا إله إلا الله**
- دو مرتبہ **محمد رسول الله** ﷺ

یعنی اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کا دین پوری دنیا تک پہنچانے کا عزم—لیکن مرغ کی طرح نہیں کہ صرف آواز ہو، بلکہ عمل کے ساتھ۔

اسی لیے اہلِ علم نے فرمایا:

**العِلمُ بلا عَمَلٍ عَقِيم،**

**والعَمَلُ بلا عِلمٍ سَقِيم،**

**وكِلاهُما طَرِيقٌ مُستقيم**

"علم بغیر عمل کے بانجھ ہے، اور عمل بغیر علم کے بیمار؛ اور جب دونوں جمع ہو جائیں تو یہی سیدھا راستہ ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

«إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»

(رواه مسلم: 2564)

**"بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔" (مسلم)**

البتہ وہ مال جو دین کے لیے خرچ کیا جائے، وہ بھی عمل میں شمار ہو جاتا ہے۔

بخاری شریف کی روایت میں اس حافظ اور عالم کی سزا مذکور ہے جو عمل نہیں کرتا،

عن سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ لأَصْحَابِهِ " هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا ". قَالَ فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُصَّ، وَإِنَّهُ قَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ " إِنَّهُ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ، وَإِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِي، وَإِنَّهُمَا قَالاَ لِي انْطَلِقْ. وَإِنِّي انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا، وَإِنَّا أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ، وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِصَخْرَةٍ، وَإِذَا هُوَ يَهْوِي بِالصَّخْرَةِ لِرَأْسِهِ، فَيَثْلَغُ رَأْسَهُ فَيَتَهَدْهَدُ الْحَجَرُ هَا هُنَا، فَيَتْبَعُ الْحَجَرَ فَيَأْخُذُهُ، فَلاَ يَرْجِعُ إِلَيْهِ حَتَّى يَصِحَّ رَأْسُهُ كَمَا كَانَ، ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ، فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الأُولَى. قَالَ قُلْتُ لَهُمَا سُبْحَانَ اللَّهِ مَا هَذَانِ قَالَ قَالاَ لِي انْطَلِقْ.....

وفيه:

قَالَ قُلْتُ لَهُمَا: فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ مُنْذُ اللَّيْلَةِ عَجَبًا، فَمَا هَذَا الَّذِي رَأَيْتُ قَالَ قَالاَ لِي أَمَا إِنَّا سَنُخْبِرُكَ، أَمَّا الرَّجُلُ الأَوَّلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ، فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلاَةِ الْمَكْتُوبَةِ،

( رواه البخاري 7047 -باب تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا بَعْدَ صَلاَةِ الصُّبْحِ)

**حضرت سمرہ بن جندب رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ سے اکثر فرمایا کرتے تھے:**

**"کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟"**

**پھر جسے اللہ چاہتا، وہ اپنا خواب بیان کرتا۔**

**ایک صبح آپ ﷺ نے فرمایا:**

**"آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے۔ انہوں نے مجھے اٹھایا اور کہا: چلو۔ میں ان دونوں کے ساتھ چل پڑا۔ ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو لیٹا ہوا تھا، اور اس کے پاس ایک دوسرا شخص کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں ایک بڑا پتھر تھا۔ وہ اس پتھر کو اس کے سر پر مارتا، تو اس کا**

**سر چکنا چور ہو جاتا۔ پھر پتھر لڑھک کر دور جا پڑتا، وہ اس کے پیچھے جا کر پتھر اٹھاتا، اور واپس آنے سے پہلے ہی اس کا سر دوبارہ پہلے جیسا ٹھیک ہو جاتا۔ پھر وہ دوبارہ اس کے ساتھ وہی عمل کرتا جو پہلی بار کیا تھا۔"**

**میں نے ان دونوں سے کہا:**

**"سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟"**

**انہوں نے کہا: "چلو، آگے چلو۔"**

**پھر آگے جا کر میں نے کہا:**

**"میں نے آج رات بہت عجیب مناظر دیکھے ہیں، یہ کیا ہے جو میں نے دیکھا؟"**

**انہوں نے کہا:**

**"ہم تمہیں بتائیں گے۔ جس پہلے آدمی کے پاس تم پہنچے تھے، جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا، وہ وہ شخص ہے جو قرآن حاصل کرتا تھا، پھر اسے چھوڑ دیتا تھا، اور فرض نماز کے وقت سویا رہتا تھا۔"**

**(صحیح البخاری، حدیث نمبر 7047)**

ایک اور حدیث میں اُس شخص کی مثال یوں بیان کی گئی ہے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا:

**عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ:**

**يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ، فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ، فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ، فَيَقُولُونَ أَيْ فُلاَنُ، مَا شَأْنُكَ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلاَ آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ ". (رواه البخاري 3267) (٧)**

**قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا، پھر اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، تو اس کی آنتیں آگ میں نکل پڑیں گی، اور وہ ان کے ساتھ اس طرح گھومے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے۔ پھر جہنم والے اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں! تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا: میں تمہیں نیکی کا حکم**

**دیتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا، اور تمہیں برائی سے روکتا تھا مگر خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔" (البخاری)**

اس لیے علم کا اصل مقصد عمل ہے، اور علم پر عمل ضروری ہے۔

**۳: مرغ میں حماقت ہے۔**

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب مرغ دیوار پر چڑھ کر خود چھلانگ لگاتا ہے اور نیچے گرتا ہے تو فوراً دوڑنے لگتا ہے، گویا کسی اور نے اسے گرا دیا ہو، حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے خود ہی چھلانگ لگائی ہوتی ہے۔

اس میں ہمارے لیے یہ اشارہ ہے کہ دین کی دعوت میں حماقت اور جذباتی پن نہیں ہونا چاہیے، بلکہ عقل، فہم اور حکمت کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔

ایک مرتبہ ایک مصری قاری صاحب تشریف لائے۔ تلاوت کی مجلس تھی، اور اس مجلس میں حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ بھی شریک تھے۔

مصری قرّاء عموماً داڑھی نہیں رکھتے الا ما شاء اللہ، تو کچھ لوگ تعجب کرنے لگے کہ اتنے بڑے قاری ہیں مگر داڑھی نہیں ہے۔

حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے، چونکہ مجلس میں موجود تھے، بڑی حکمت کے ساتھ ایک نہایت بصیرت افروز بات فرمائی۔ عربی میں قاری صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

"قاری صاحب! لوگ اس بات پر تعجب کر رہے ہیں کہ آپ اتنے بڑے قاری ہیں لیکن آپ کی داڑھی نہیں ہے۔"

تو میں نے ان سے کہا:

انسان کے دو پہلو ہوتے ہیں: ایک ظاہر، دوسرا باطن۔

اور اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ظاہر اور باطن، دونوں درست ہونے چاہئیں۔

پھر فرمایا:

قاری صاحب کا باطن بہت اچھا ہے: ان کے دل میں نرمی، رحم دلی، اچھے اخلاق، حلم اور تواضع ہے، تکبر نہیں ہے۔

اور ان کے مقابلے میں (تواضعاً فرمایا) ہمارا باطن تو کمزور ہے، بس ہمارا صرف ظاہر اچھا ہے—داڑھی، لباس وغیرہ۔

تو ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے باطن کو قاری صاحب کے باطن جیسا بنا دے، اور قاری صاحب کے ظاہر کو ہمارے ظاہر جیسا بنا دے۔"

یہ سن کر قاری صاحب رو پڑے اور کہنے لگے:

"مولانا! آپ کا ظاہر بھی اچھا ہے اور باطن بھی۔ میرا ظاہر اور باطن دونوں کمزور ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ آئندہ میرا ظاہر مولانا جیسا اور شریعت کے مطابق ہوگا۔"

یہ ہے حکمت، فہم اور موقع شناسی۔

ہمیشہ بات موقع، محل اور مخاطب کے مطابق کرنی چاہیے۔

ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ نکاح کی مجلس میں تلاوت کی درخواست ہو، اور قاری صاحب وہاں:

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

کی تلاوت شروع کر دیں!

یہ بھی حکمت کے خلاف ہے۔ حکمت یہ ہے کہ ہمیشہ موقع کی مناسبت سے بیان ہونا چاہیئے،

رمضان میں رمضان کا بیان ہو،

شادی میں شادی کے مناسب بات ہو،

غم کے موقع پر تعزیت اور صبر کا بیان ہو،

اور مختلف طبقات سے گفتگو ان کی مناسبت سے ہو:

- ڈاکٹروں سے ان کے موضوعات پر
- انجینئروں سے ان کے میدان کے مطابق
- تاجروں سے تجارت کے حوالے سے

اللہ تعالیٰ نے تاجروں کو بھی بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

اکبر الٰہ آبادی نے کہا ہے:

"دیکھ لو، تاجر کے سر پر تاج ہے"

یعنی اللہ تعالیٰ نے تاجر کو تاج اور عزت عطا فرمائی ہے۔

**٤: مرغ میں ایک اور بری خصلت بزدلی ہے۔**

اس لیے جب مرغ گرتا ہے تو فوراً بھاگ جاتا ہے۔

اس میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ حق بات ضرور کہنی چاہیے—

لیکن حکمت، نرمی اور مناسب اسلوب کے ساتھ، بے خوفی ہو، مگر بے ادبی اور بے موقعی نہ ہو۔

اس کے بعد کوّے کا ذکر آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوّے کو بھی ذبح کر کے مختلف مقامات پر رکھا۔

کوّے کے اندر چند قبیح اور ناپسندیدہ صفات پائی جاتی ہیں، جن کی نفی مقصود ہے:

**(١) تکبر**

کوّا خود شکار نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کے شکار پر پلتا ہے۔

یہ صفت تکبر اور خود پسندی کی علامت ہے، جو کسی مؤمن، عالم یا داعی کے شایانِ شان نہیں۔

**(٢) حد سے آگے اڑنے کی کوشش**

کوّا اپنی استطاعت اور صلاحیت سے زیادہ اونچا اڑنے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ اس میں اس رفعت کی اہلیت نہیں ہوتی۔

یہ جھوٹی رفعت اور مصنوعی بڑائی ناپسندیدہ ہے۔

اس کے برعکس، شریعت میں تواضع کو اصل عزت قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ»**

**(رواه مسلم، 2588)**

**"صدقہ مال کو کم نہیں کرتا، معاف کرنے سے اللہ بندے کی عزت بڑھاتا ہے، اور جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند فرما دیتا ہے"۔ (مسلم)**

اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا ہرگز درست نہیں جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا متکبر شخص:

**فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ، وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرٌ، حَتَّى لَهُوَ أَهْوَنُ عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيرِ"**

"حقیقت میں وہ چھوٹا محسوس کرتا ہے اپنے آپ کو (inferiority complex), لوگوں کی نظر میں بڑا بن تو جاتا ہے، لیکن اللہ کے نزدیک وہ کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ حقیر ہوتا ہے"۔ العیاذ باللہ۔

**(٣) کوّا کاہل ہے اور خود محنت نہیں کرتا۔**

وہ لاش یا مردار کی تاک میں رہتا ہے کہ کہیں کچھ مل جائے اور وہ کھا لے۔

یہ دوسروں کی محنت پر پلنے کی علامت ہے۔

اس میں خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لیے بڑا سبق ہے کہ وہ خود محنت کریں:

- علم کی محنت
- درس و تدریس
- امامت
- دعوت و اصلاح

یہ سب عزت کے کام ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ خود محنت کی جائے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضي الله عنه فرمایا کرتے تھے:

**«إِنِّي لَأَكْرَهُ أَنْ أَرَى أَحَدَكُمْ سَبَهْلَلًا (فَارِغًا)، لَا فِي عَمَلِ دُنْيَا وَلَا فِي عَمَلِ آخِرَةٍ»**

**(قيمة الزمن عند العلماء، ص 118) (٨)**

**"مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں تم میں سے کسی کو یوں دیکھوں کہ وہ بالکل فارغ بیٹھا ہو—نہ دنیا کے کسی کام میں لگا ہو اور نہ آخرت کے کسی عمل میں۔"**

پس ہمیں چاہیے کہ ہم یا تو دینی کام میں مشغول رہیں یا دنیاوی کام میں—کسی نہ کسی مفید مشغلے میں مصروف رہنا ضروری ہے۔

ایسا نہ ہو کہ آدمی خود کوئی محنت نہ کرے اور دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتا رہے۔

**(٤) حرص**

کوّے میں ایک اور بری خصلت حرص ہے۔

وہ قریب آ کر سر پر بیٹھ جاتا ہے اور چیختا رہتا ہے، گویا مطالبہ کر رہا ہو کہ مجھے کچھ دے دو۔

اس میں ہمارے لیے یہ اشارہ ہے کہ حرص اور لالچ کو اپنے دل و دماغ سے نکال دینا چاہیے؛ اسی لیے اس خصلت کو بھی ذبح کر دیا گیا۔

**(۵) غربت اور مسافرت**

عربی میں غراب کا تعلق غریب سے بھی جوڑا جاتا ہے، اور غریب مسافر کو کہا جاتا ہے۔

اس مناسبت سے امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور شعر ہے:

**تَغَرَّبْ عَنِ الْأَوْطَانِ فِي طَلَبِ الْعُلَا**

**وَسَافِرْ فَفِي الْأَسْفَارِ خَمْسُ فَوَائِدِ**

**تَفَرُّجُ هَمٍّ، وَاكْتِسَابُ مَعِيشَةٍ**

**وَعِلْمٌ، وَآدَابٌ، وَصُحْبَةُ مَاجِدِ**

"وطن چھوڑ کر بلندی کی تلاش میں نکلو، کیونکہ سفر میں پانچ فائدے ہیں:

غم کا دور ہونا (طبیعت کھل جائے گی)،

کچھ روزگار اور رزق مل جائے گا، اور علم کا حصول، آداب و اخلاق کی تربیت، اور کسی اللہ والے اور بزرگ کی صحبت نصیب ہو جائے گی"۔

یہاں اشارہ یہ ہے کہ دنیا کا یہ سفر عارضی ہے۔

چاہے زندگی سو برس کی ہو، آخرکار یہ سفر ختم ہو جاتا ہے؛ اس لیے اصل فکر آخرت کے سفر کی ہونی چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عارضی دنیا کے سفر کو بھی ذبح کر دیا—یعنی دل کو اس سے وابستہ نہیں رکھنا چاہیے۔

یہی کوّے کی خصلتیں ہیں جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل کے ذریعے ذبح کر دیا گیا:

تکبر، بے جا بلند پروازی، محنت سے فرار، حرص اور مسافرت۔

**آخری پرندہ: کبوتر**

آخر میں کبوتر کا ذکر آتا ہے۔ تفسیرِ جلالین میں کبوتر کے بجائے نَسْر (گدھ) کا ذکر آیا ہے، جو مردار کھانے والا پرندہ ہے۔

کبوتر میں ایک نمایاں خصلت سستی اور غفلت ہے۔

اکثر کبوتروں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ سوتے رہتے ہوں—نہ چستی، نہ بیداری۔

اس میں ہمارے لیے واضح سبق ہے: سستی کو ترک کرو اور چستی اختیار کرو۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے کسی نے عرض کیا:

"حضرت! میرے اندر سستی ہے، کوئی وظیفہ بتا دیجیے۔"

فرمایا:

"بھائی! سستی کا علاج چستی ہے—اس کے لیے کسی وظیفے کی ضرورت نہیں۔"

ہر کام کے لیے ایک مقررہ وقت بنا لینا چاہیے، اور جب تک وہ کام مکمل نہ ہو، اس میں مشغول رہنا چاہیے۔

مثلاً:

- تہجد کے وقت بیداری
- تہجد کے وقت ذکر، درود شریف اور استغفار
- نماز
- نماز کے بعد تلاوت
- پھر تعلیم، تبلیغ یا تدریس
- اس کے بعد دنیاوی ذمہ داریاں

زندگی میں ایک واضح نظام اور ترتیب ہونی چاہیے۔

کبوتر کی طرح غفلت اور سستی کی زندگی نہیں گزارنی چاہیے۔

غفلت دور کرنے کے لیے علمائے کرام ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔

یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ ذکر جہری اور ایک آواز میں کیوں کیا جاتا ہے؟

علماء فرماتے ہیں: آواز ملانے سے غفلت دور ہوتی ہے، دل متوجہ ہوتا ہے، اور اصل دل کا لگانا ہی مقصود ہے۔

بہرحال، آج جو خراب عادتیں بیان کی گئیں، اگر ہم ان سے بچنے کی کوشش کریں، تو ان کی برکت سے اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری دنیا کی زندگی میں بھی برکت عطا فرمائیں گے اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

## مکتوباتِ فقیہ الاُمت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوھی رحمت اللہ علیہ (از مکتوباتِ فقیہ الاُمت) :

**حال**:

"بندہ ناکارہ کی شادی ہو گئی، لیکن افسوس شادی کے بعد ذکر کا تسلسل ختم ہو گیا اور پہلے ذکر میں جو لذت تھی، وہ ختم ہو گئی۔ سخت پریشان ہوں! کیا کروں؟"

**جواب**:

"شادی مبارک ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ شادی کو نظر کی حفاظت اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ بنائے، اور اولادِ صالحہ عطا فرمائے، اور بہترین اور خوشگوار زندگی دے، دیں۔

اگر ذکر اور تسبیح میں لذت نہیں پاتے تو زیادہ پریشان نہ ہوں، البتہ اتنا خیال رکھیں کہ کامیابی اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر میں ہے؛ یہ بہت بڑی دولت ہے۔ ذکر کے تسلسل کا ٹوٹ جانا صرف یہ نہیں کہ ترقیِ درجات میں رکاوٹ ہے، بلکہ نقصان دہ بھی ہے۔

اس لیے اس کا اہتمام کریں کہ تسلسل منقطع نہ ہو۔ ذکر ہمیشہ کریں، اگرچہ تھوڑا ذکر ہو۔ اور بغیر مجاہدہ کے پابندی کا ہونا بھی مشکل ہے۔

آسان صورت یہ ہے کہ جس روز وقتِ معین ذکر نہ ہو تو اس کو دوسرے وقت میں پورا کریں، اور بغیر پورا کیے کھانا نہ کھائیں۔

اللہ تعالیٰ پابندی کی توفیق دے اور اپنے پاک نام کے ساتھ انس اور الفت عطا فرمائے۔"

**لفظِ مجاہدہ کی تشریح**

حضرت فرماتے ہیں کہ مجاہدہ کے بغیر پابندی مشکل ہے۔

بعض حضرات نے لفظ **مجاہدہ** کی نہایت خوبصورت تشریح حروف کے اعتبار سے بیان کی ہے:

- **میم** (م) سے مراد مال ہے:

یعنی مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگانا۔

- **جیم** (ج) سے مراد جان ہے:

یعنی جان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگانا۔

- **الف** (ا) سے مراد اوقات ہیں:

یعنی اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے وقف کرنا۔

- **ہا** (ہ) سے مراد ہجرت ہے:

یعنی دین کے لیے سفر کرنا، گھر اور سہولتوں سے نکلنا۔

- **دال** (د) سے مراد دعوت ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا۔

یہاں کھانے کی دعوت مراد نہیں کہ آج فلاں جگہ دعوت ہے اور کل فلاں جگہ—وہ دعوتیں تو ہوتی رہیں گی، جنہیں کھاتے کھاتے آدمی تھک جاتا ہے،

مگر دین کی دعوت کے کام سے تھکنا نہیں چاہیے۔

- اور آخر میں پھر **ہا** (ہ) ہے، جو ہدایت کی طرف اشارہ ہے:

یعنی ان تمام مجاہدات کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

**وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین**

---

**حواشی**

(1)عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ بَلَغَهُ حَدِيثٌ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَابْتَعْتُ بَعِيرًا فَشَدَدْتُ إِلَيْهِ رَحْلِي شَهْرًا، حَتَّى قَدِمْتُ الشَّامَ، فَإِذَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أُنَيْسٍ، فَبَعَثْتُ إِلَيْهِ أَنَّ جَابِرًا بِالْبَابِ، فَرَجَعَ الرَّسُولُ فَقَالَ: جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَخَرَجَ فَاعْتَنَقَنِي، قُلْتُ: حَدِيثٌ بَلَغَنِي لَمْ أَسْمَعْهُ، خَشِيتُ أَنْ أَمُوتَ أَوْ تَمُوتَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: يَحْشُرُ اللَّهُ الْعِبَادَ، أَوِ النَّاسَ، عُرَاةً غُرْلاً بُهْمًا، قُلْتُ: مَا بُهْمًا؟ قَالَ: لَيْسَ مَعَهُمْ شَيْءٌ، فَيُنَادِيهِمْ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ، أَحْسَبُهُ قَالَ: كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ: أَنَا الْمَلِكُ، لاَ يَنْبَغِي لأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَأَحَدٌ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَطْلُبُهُ بِمَظْلَمَةٍ، وَلاَ يَنْبَغِي لأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَدْخُلُ النَّارَ وَأَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَطْلُبُهُ بِمَظْلَمَةٍ، قُلْتُ: وَكَيْفَ؟ وَإِنَّمَا نَأْتِي اللَّهَ عُرَاةً بُهْمًا؟ قَالَ: بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ.

(باب المعانقة ,الأدب المفرد # 970)

(٢) قال ابن كثير تحت قوله تعالى في سورة الدخان :

أهم خير أم قوم تبع (ايت ٣٧)

"وتبع هذا هو تبع الأوسط ، واسمه أسعد أبو كريب بن ملكيكرب اليماني ذكروا أنه ملك على قومه ثلاثمائة سنة وستا وعشرين سنة ، ولم يكن في حمير أطول مدة منه ، وتوفي قبل مبعث رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بنحو من سبعمائة عام . وذكروا أنه لما ذكر له الحبران من يهود المدينة أن هذه البلدة مهاجر نبي آخر في الزمان ، اسمه أحمد ، قال في ذلك شعرا واستودعه عند أهل المدينة . وكانوا يتوارثونه ويروونه خلفا عن سلف . وكان ممن يحفظه أبو أيوب خالد بن زيد الذي نزل رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في داره ، وهو :

"شهدت على أحمد أنه

رسول من الله باري النسم

فلو مد عمري إلى عمره

لكنت وزيرا له وابن عم

وجاهدت بالسيف أعداءه

وفرجت عن صدره كل غم"

"ابنِ کثیرؒ نے سورۃ الدخان کی اس آیت کے تحت فرمایا:

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ

**(آیت 37)**

***"یہ تُبَّع، تُبَّعِ اوسط ہے، اور اس کا نام اَسعد ابو کریب بن ملیکرب الیمنی تھا۔ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی قوم پر تین سو چھبیس (326) سال تک حکومت کرتا رہا، اور حِمیر کے بادشاہوں میں اس سے زیادہ طویل مدت تک حکومت کرنے والا کوئی نہیں ہوا۔**

**وہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تقریباً سات سو (700) سال پہلے وفات پا گیا۔**

**اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب مدینہ کے یہودی علماء نے اسے بتایا کہ یہ بستی (مدینہ) آخری زمانے میں آنے والے ایک نبی کی ہجرت کی جگہ ہوگی، جن کا نام احمد ہوگا، تو اس نے اس بارے میں اشعار کہے اور وہ اشعار اہلِ مدینہ کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دیے۔**

**پھر اہلِ مدینہ ان اشعار کو نسل در نسل ایک دوسرے کو منتقل کرتے رہے اور روایت کرتے رہے۔**

**اور ان اشعار کو یاد رکھنے والوں میں ابو ایوب خالد بن زیدؓ بھی شامل تھے، وہی جن کے گھر رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔"***

**(٣) عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ:**

**خَرَجَ أَبُو أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ بِمِصْرَ؛ يَسْأَلُهُ عَنْ حَدِيثٍ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَمْ يَبْقَ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُهُ وَغَيْرُ عُقْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.**

**فَلَمَّا قَدِمَ أَتَى مَنْزِلَ مَسْلَمَةَ بْنِ مُخَلَّدٍ الأَنْصَارِيِّ – وَهُوَ أَمِيرُ مِصْرَ – فَأُخْبِرَ بِهِ، فَعَجِلَ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ فَعَانَقَهُ، ثُمَّ قَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا أَيُّوبَ؟**

**فَقَالَ: حَدِيثٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَمْ يَبْقَ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرِي وَغَيْرُ عُقْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَابْعَثْ مَنْ يَدُلُّنِي عَلَى مَنْزِلِهِ.**

**قَالَ: فَبَعَثَ مَعَهُ مَنْ يَدُلُّهُ عَلَى مَنْزِلِ عُقْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.**

**فَأُخْبِرَ عُقْبَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِهِ، فَعَجِلَ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ فَعَانَقَهُ، وَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا أَيُّوبَ؟**

**فَقَالَ: حَدِيثٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَمْ يَبْقَ أَحَدٌ سَمِعَهُ غَيْرِي وَغَيْرُكَ فِي سَتْرِ المُؤْمِنِ.**

**قَالَ عُقْبَةُ: نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:**

**«مَنْ سَتَرَ مُؤْمِنًا فِي الدُّنْيَا عَلَى خِزْيَةٍ، سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».**

**فَقَالَ لَهُ أَبُو أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: صَدَقْتَ.**

**ثُمَّ انْصَرَفَ أَبُو أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَرَكِبَهَا رَاجِعًا إِلَى المَدِينَةِ، فَمَا أَدْرَكَتْهُ جَائِزَةُ مَسْلَمَةَ بْنِ مُخَلَّدٍ إِلَّا بِعَرِيشِ مِصْرَ.**

**(أخرجه الحميدي في مسنده بلفظه، حديث # ٣٨٨)**

**HADITH #388, VOL 1, Page 373**

**(٤) ومن محاسن النجاشي أن أم حبيبة رملة بنت أبي سفيان بن حرب الأموية أم المؤمنين ...فلما وفت العدة ، بعث رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يخطبها ، فأجابت ، فنهض في ذلك النجاشي ، وشهد زواجها بالنبي - صلى الله عليه وسلم - وأعطاها الصداق عن النبي - صلى الله عليه وسلم - من عنده أربعمائة دينار ، فحصل لها شيء لم يحصل لغيرها من أمهات المؤمنين ، ثم جهزها النجاشي .**

**سير أعلام النبلاء ج١ p442**

**(٥) عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ صلى الله عليه وسلم لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ . قَالَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ " مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلاَ دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ "**

**(أبو داود- 3641, باب الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ)**

**کثیر بن قیس بیان کرتے ہیں:**

**میں دمشق کی مسجد میں ابو الدرداء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا:**

**"اے ابو الدرداء! میں رسول اللہ ﷺ کے شہر (مدینہ) سے آپ کے پاس آیا ہوں، صرف اس حدیث کے لیے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ اسے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ میں کسی اور حاجت سے نہیں آیا۔"**

**ابو الدرداء رضي الله عنه نے فرمایا:**

**‘‘میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:**
**‘جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اس کے لیے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ آسان فرما دیتا ہے۔**
**اور بے شک فرشتے طالبِ علم کی خوشنودی کی وجہ سے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔**
**اور بے شک عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق استغفار کرتی ہے، حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی۔**
**اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔**
**اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء نے نہ دینار چھوڑا اور نہ درہم، بلکہ انہوں نے علم کو وراثت میں چھوڑا،**
**پس جس نے اسے حاصل کر لیا، اس نے بہت بڑا حصہ پا لیا۔’’’**

**(٦) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ فَإِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ " .**

**حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**

**‘‘سفر عذاب کا ایک حصہ ہے۔ یہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی نیند، کھانے اور پینے سے روک دیتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی اپنے سفر کی غرض پوری کر لے تو اسے چاہیے کہ جلد اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ آئے۔**

**(صحيح مسلم 1927)**

**(٧) عَنْ أَبِي وَائِلٍ،، قَالَ قِيلَ لأُسَامَةَ لَوْ أَتَيْتَ فُلاَنًا فَكَلَّمْتَهُ. قَالَ إِنَّكُمْ لَتَرَوْنَ أَنِّي لاَ أُكَلِّمُهُ إِلاَّ أُسْمِعُكُمْ، إِنِّي أُكَلِّمُهُ فِي السِّرِّ دُونَ أَنْ أَفْتَحَ بَابًا لاَ أَكُونُ أَوَّلَ مَنْ فَتَحَهُ، وَلاَ أَقُولُ لِرَجُلٍ أَنْ كَانَ عَلَىَّ أَمِيرًا إِنَّهُ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ شَىْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم. قَالُوا وَمَا سَمِعْتَهُ يَقُولُ؟ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ:**

**" يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ، فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ، فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ، فَيَقُولُونَ أَىْ فُلاَنُ، مَا شَأْنُكَ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلاَ آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ ".**

**رواه البخاري 3267**

**حضرت ابو وائل (ra) بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُسامہ بن زید (ra) سے کہا گیا:**

**کیا آپ فلاں شخص کے پاس جا کر اس سے بات نہیں کریں گے؟**

**انہوں نے فرمایا:**

**کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس سے بات نہیں کرتا مگر یہ کہ تمہیں سنا کر؟ میں اس سے تنہائی میں بات کرتا ہوں، اس طرح کہ میں ایسا دروازہ نہ کھولوں جسے سب سے پہلے کھولنے والا میں ہی بن جاؤں۔ اور میں کسی شخص کے بارے میں—چاہے وہ مجھ پر امیر ہی کیوں نہ ہو—یہ نہیں کہتا کہ وہ سب لوگوں سے بہتر ہے، اس بات کے بعد جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔**

**لوگوں نے کہا:**

**آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے؟**

**انہوں نے فرمایا:**

**میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:**

**"قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا، پھر اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، تو اس کی آنتیں آگ میں نکل پڑیں گی، اور وہ ان کے ساتھ اس طرح گھومے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے۔ پھر جہنم والے اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں! تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا: میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا، اور تمہیں برائی سے روکتا تھا مگر خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔"**

**(٨) وروي أيضا عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه أنه قال: "إني لَأَكْرَهُ أن أرى أحدكم فارغًا سَبَهْلَلًا"، يعني: لا في عمل دنيا، ولا في عمل الآخرة (رواه ابن المبارك في الزهد)-**

**فقد جاء الأثر المذكور عن عمر رضي الله عنه بلفظ : إني لأكره أن أرى الرجل سبهللا لا في عمل دنيا ولا في عمل آخرة ، ومثله في المعنى والألفاظ عن ابن مسعود رضي الله عنه قال : إني لأمقت الرجل أراه فارغا ليس في شيء من عمل دنيا ولا آخرة ، وهذه الآثار ذكرها السخاوي في المقاصد الحسنة والزيلعي في تخريج الأحاديث والآثار ، والعجلوني في كشف الخفاء، والسبهلل معناه في اللغة الفارغ كما في لسان العرب .**